

مسئلہ قربانی

www.KitaboSunnat.com

شرعی اور عقلی نقطہ نظر سے

ابوالاعلیٰ مودودی

نمان در
یہ قریب
قربانی کے
باتے ہیں،
سب کچھ ہو
آج

قربانی

اسلام کی ایک

اسلامی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربنہ
معدت البریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مسئلہ قرآنی

شرعی اور عقلی نقطہ نظر سے
پاکستان میں قرآنی کے خلاف مہم

کئی سال سے مسلسل یہ دیکھا جا رہا ہے کہ ہر تقریب عید کے موقع پر اخبارات اور رسالوں کے ذریعہ سے بھی اور اشتہاروں اور میفلٹوں کی صورت میں بھی قرآنی کے خلاف پروپیگنڈے کا ایک طوفان اٹھایا جاتا ہے اور ہزاروں بندگان خدا کے دل میں یہ دوسوسہ ڈالا جاتا ہے کہ یہ کوئی دینی حکم نہیں ہے بلکہ ایک غلط اور نقصان دہ رسم ہے جو ملاؤں نے ایجاد کر لی ہے۔ اس دوسوسہ اندازی کے خلاف قریب قریب ہر سال ہی علماء کی طرف سے مسئلے کی پوری وضاحت کر دی جاتی ہے، قرآنی کے ایک حکم شرعی ہونے اور مستون اور واجب ہونے کے دلائل دیتے جاتے ہیں اور مخالفین کے استدلال کی کمزوریاں کھول کر رکھ دی جاتی ہیں۔ لیکن ہر مرتبہ یہ سب کچھ ہونے کے بعد دوسرے سال پھر دیکھا جاتا ہے کہ وہی لگی بندھی باتیں اسی طرح دہرائی جا رہی ہیں گویا نہ کسی نے قرآنی کے مشروع ہونے کا کوئی ثبوت دیا اور نہ اس کے خلاف دلیلوں کی کوئی کمزوری واضح کی۔ بلکہ اب تو ایک قدم اور آگے بڑھا کر حکومت کو بے تکلف

یہ مشورہ دیا جا رہا ہے کہ وہ قسربانی کو از روئے قانون محدود کرنے کی کوشش کرے۔

اس پروپونڈے کا اثر ہندی مسلمانوں پر

۱۵۷۶

ہم ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں جو ابھی چند سال پہلے تک متحدہ ہندوستان کا ایک حصہ تھا۔ ہماری سرحد کے اُس پار ہمارے کوروڑوں دینی بھائی اب بھی سابق متحدہ ہندوستان کے اُس حصے میں موجود ہیں جس سے ہم الگ ہوئے تھے۔ ان کو آج بھی اسی قوم سے سابقہ درپیش ہے جس سے کبھی ہم کو درپیش تھا، بلکہ وہ آج تقسیم سے قبل کی نسبت بدرجہا زیادہ کمزوری اور مغلوبی کی حالت میں مبتلا ہیں۔ ان پر جس قوم کو غلبہ حاصل ہے وہ ساہا سال سے گائے کی قربانی پر ہمارے ساتھ سر بھٹول کرتی رہی تھی، اور تقسیم کے بعد جب اسے مسلمانوں پر پورا قابو حاصل ہوا تو اس نے سب سے پہلے ان کو اسی حق سے محروم کیا۔ اب یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ پاکستان جو ہندو تہذیب و تمدن کے تسلط سے مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کو بچانے کے لیے بنا تھا، وہی آگے بڑھ کر ہندوستان کے ہندوؤں کو یہ رہنمائی دے کہ مہاراج گائے کی قربانی کیسی، آپ تو ہر قسم کی قربانی از روئے قانون بند کر سکتے ہیں۔ یہ چیز سرے سے شعاہ اسلام میں داخل ہی نہیں ہے کہ اسے روک دینے پر آپ کو کسی مذہبی تعصب کا الزام دیا جاسکے۔ حق بجانب وہ مسلمان نہیں ہے جو اسے اپنا مذہبی حق کہہ کر اس پر اصرار کرتا ہے، بلکہ وہ ہندو ہے جو اس غیر مذہبی رسم

اس کو باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہیں تو پاکستان میں اس جاہل مسلم اکثریت سے سابقہ ہے، اس لیے یہاں ہم برناتے احتیاط بتدیج اسے محدود کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ آپ کو تو کسی کا ڈر نہیں ہے۔ آپ ایک قلم اسے مسدود فرمادیں اس معاملے میں شریعت اسلام مسلمانوں کے ساتھ نہیں بلکہ آپ کے ساتھ ہوگی۔

کس قدر جلدی جھولے ہیں ہم اس حالت کو جس سے خدانے ہمیں نکالا اور جس میں ہمارے کورٹروں بھائی اب بھی مبتلا ہیں۔ شاید برطانوی ہند میں ہندوؤں سے ہماری کشمکش صرف اس لیے تھی کہ اپنی تہذیب کا جھٹکا دوسروں سے کرانے کے بجائے ہم خود اسے حلال کرنا چاہتے تھے۔

شیطانی ذوق تفرقہ اندازی

مسلمانوں میں اختلافات کی پہلے ہی کوئی کمی نہ تھی۔ یہ تفرقوں کی ماری ہوئی قوم فی الواقع رحم کی مستحق تھی۔ کسی کے دل میں اس کی خیر خواہی کا جذبہ موجود ہوتا تو وہ یہ سوچتا کہ اس کے اختلافات میں اتفاق کی کوئی راہ دریافت کرے لیکن یہاں حال یہ ہے کہ جو لوگ خیر خواہی کے ارادے یا دعوے سے اٹھتے ہیں وہ ان چیزوں میں بھی اختلاف کی راہیں نکال رہے ہیں جن میں خوش قسمتی سے مسلمانوں کے درمیان ابتداء سے آج تک اتفاق موجود ہے۔ گویا ان حضرات کے نزدیک دین کی اصل خدمت اور ملت کی صحیح خیر خواہی یہ ہے کہ متفق علیہ مسائل کو بھی کسی نہ کسی طرح اختلافی بنا دیا جائے اور کوئی چیز ایسی نہ چھوڑی جائے جس کے متعلق یہ کہا جاسکے کہ سب مسلمان

اس میں متفق ہیں۔

قرآنی کا مسئلہ ایسے ہی متفق علیہ مسائل میں سے ہے پہلی صدی ہجری کے آغاز سے آج تک مسلمان اس پر متفق رہے ہیں۔ اسلامی تاریخ کی پوری پونے چودہ صدیوں میں آج تک اس کے مشرّع اور سنون ہونے میں اختلاف نہیں پایا گیا ہے۔ اس میں ائمہ اربعہ اور اہل حدیث متفق ہیں۔ اس میں شیعہ اور سنی متفق ہیں۔ اس میں قدیم زمانے کے مجتہدین بھی متفق تھے اور آج کے سب گروہ بھی متفق ہیں۔ اب یہ تفرقہ و اختلاف کا شیطانی ذوق نہیں تو اور کیا ہے کہ کوئی شخص ایک نرالی بات لیکر اٹھے اور اس متفق علیہ اسلامی طریقے کے متعلق بیچارے عام مسلمانوں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرے کہ یہ دوسرے سے کوئی اسلامی طریقہ ہی نہیں ہے۔

تفریق بین اللہ و الرسول

پھر یہ اختلاف بھی کسی معمولی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک بہت بڑی فتنہ انگیز بنیاد پر اٹھایا گیا ہے یعنی سوال یہ چھیڑا گیا ہے کہ یہ بقرعہ عید کی قرآنی آختم کس سند پر کرتے ہو، قرآن میں تو اس کا کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے۔ دوسرے AUTHORITY الفاظ میں مطلب یہ ہوا کہ اسلام میں سند صرف ایک قرآن ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کوئی سند نہیں ہے۔ حالانکہ جس خدا نے قرآن نازل کیا ہے، اسی نے اپنا رسول بھی مبعوث کیا تھا۔ اس کا رسول اسی طرح ایک اتھارٹی ہے جس طرح اگر کتاب۔ اس کے رسول کی اتھارٹی کسی طرح بھی اس کی کتاب کی اتھارٹی سے کم

نہیں ہے، نہ وہ کتاب کے ساتھ کوئی ضمنی حیثیت رکھتی ہے، نہ اس کے ذریعے سے دیتے ہوئے کسی حکم کے لیے قرآن کی توثیق کسی درجے میں بھی ضروری ہے، بلکہ حق تو یہ ہے کہ قرآن جس کی سند پر کلام اللہ مانا گیا ہے وہ بھی رسول ہی کی سند ہے۔ اگر رسول نے یہ بتایا ہوتا کہ یہ قرآن خدا نے اُس پر نازل کیا ہے تو ہمارے پاس نہ یہ جاننے کا کوئی ذریعہ تھا اور نہ یہ ماننے کی کوئی وجہ تھی کہ یہ کتاب خدا کی کتاب ہے۔ اب یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ جو حکم رسول نے دیا ہو اور جس طریقے پر رسول نے خود عمل کیا اور اہل ایمان کو اس پر عمل کرنے کی ہدایت کی ہو، اس کے متعلق یہ کہا جائے کہ اس کا حکم قرآن میں ہو تو ہم مانیں گے ورنہ پیروی سے انکار کر دیں گے؟ اس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہیں کہ خدا کی کتاب تو واجب الاتباع ہے مگر خدا کا رسول واجب الاتباع نہیں ہے!

منصب رسول

یہ بات حقیقت کے خلاف بھی ہے اور سخت فتنہ انگیز بھی۔

حقیقت کے خلاف یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ محض ایک ڈاکیومنٹ بنا کر نہیں بھیجا تھا کہ آپ کا کام اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچانے کے بعد ختم ہو جائے اور اس کے بعد بندے اللہ میاں کے نام نہ گرامی کو لیکر جس طرح ان کی سمجھ میں آئے اس کی تعمیل کرتے رہیں۔ خود قرآن کی رو سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کی نوعیت کفار کے لیے الگ اور اہل ایمان کے لیے الگ ہے۔ کفار کے

یہ آپ بے شک صرف مبلغ اور داعی الی اللہ ہیں۔ مگر جو لوگ ایمان لے آئیں ان کے لیے تو آپ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے مکمل نمائندے ہیں۔ آپ کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے۔ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللَّهَ۔ آپ کے اتباع کے سوا اللہ کی خوشنودی کا کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ۔ اللہ نے آپ کو اپنی طرف سے معلم، مربی، رہنما، قاضی، آمر و ناہی اور حاکم مطاع، سب کچھ بنا کر مامور فرمایا تھا۔ آپ کا کام یہ تھا کہ مسلمانوں کے لیے عقیدہ و فکر، مذہب و اخلاق، تمدن و تہذیب، معیشت و سیاست، فرض زندگی کے ہر گوشے کے لیے وہ اصول، طریقے اور ضابطے مقرر کریں جو اللہ کی پسند کے مطابق ہوں۔ اور مسلمانوں کا فرض یہ ہے کہ جو کچھ آپ نے سکھایا اور مقرر کیا ہے اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالیں۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے کوئی شخص یہ حق نہیں رکھتا کہ رسول اللہ جو حکم دیں اس پر ان سے سند طلب کرے۔ رسول کی ذات خود سند ہے۔ اس کا حکم بجائے خود قانون ہے۔ اس کے مقابلے میں کوئی مسلمان یہ سوال کرنے کا مجاز نہیں ہے کہ جو حکم رسول نے دیا ہے اس کا حوالہ قرآن میں ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کوئی ہدایت خواہ اپنی کتاب کے ذریعہ سے دے یا اپنے رسول کے ذریعہ سے، سند اور وزن کے اعتبار سے دونوں بالکل یکساں ہیں اور قانونِ الہی ہونے میں ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

رسالت کا غلط تصور

بالکل غلط کہتا ہے جو کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور فیصلوں اور ہدایات کی قانونی حیثیت صرف اپنے عہد کے رئیس مملکت HEAD OF THE STATE ہونے کی بنا پر تھی یعنی جب آپ رئیس مملکت تھے اس وقت آپ کی اطاعت واجب تھی اور اب جو رئیس مملکت یا مرکزِ ملت ہوگا اس کی اطاعت اب واجب ہوگی۔ یہ رسالت کا بدترین تصور ہے جو کسی شخص کے ذہن میں آسکتا ہے۔ اسلامی تصور رسالت سے اس کو دور کا واسطہ بھی نہیں۔ رئیس مملکت کے منصب کو آخر رسول کے منصب سے کیا نسبت ہے۔ اس کو عام مسلمان منتخب کرتے اور وہی معزول کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ حالانکہ رسول کو خدا مقرر کرتا ہے اور خدا کے سوا کسی کو اسے معزول کرنے کا اختیار نہیں۔ رئیس مملکت جس علاقے کا رئیس ہو اور جب تک اس منصب پر رہے صرف اسی علاقے میں اسی وقت تک اس کو رئیس ماننا واجب ہے اور پھر بھی اس پر ایمان لانے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی اسے نہ مانے تو ملتِ اسلام سے خارج ہو جائے۔ حالانکہ رسول جس آن مبعوث ہوا اس وقت سے قیامت تک دنیا میں کوئی شخص اس پر ایمان لائے بغیر ملتِ اسلامیہ کا فرد نہیں بن سکتا۔ رئیس مملکت کو آپ دل میں بُرا جان سکتے ہیں، اس کو بر ملا بُرا کہہ سکتے ہیں، اس کے قول و فعل کو علانیہ غلط کہہ سکتے ہیں، اور اس کے فیصلوں سے اختلاف کر سکتے ہیں۔ لیکن رسول کے ساتھ یہ رویہ اختیار کرنا تو درکنار، اس کا خیال بھی اگر دل میں آجائے تو ایمان سلب ہو جائے۔ رئیس مملکت کے حکم کو ماننے سے

آپ صاف انکار کر سکتے ہیں۔ یہ زیادہ سے زیادہ بس ایک جرم ہوگا۔ مگر رسول کے حکم کو لگ رہے جانے کے بعد کہ وہ رسول کا حکم ہے، آپ ماننے سے انکار کر دیں تو قطعی خارج از اسلام ہو جائیں۔ اس کے حکم پر تو آپ چون و چرا تک نہیں کر سکتے، بلکہ اس کے خلاف دل میں کوئی تنگی تک محسوس کرنا ایمان کے منافی ہے۔ رئیس مملکت عوام کا نمائندہ ہے اور رسول خدا کا نمائندہ۔ رئیس مملکت کی زبان قانون نہیں بلکہ اٹنا قانون اس کی زبان پر حاکم ہے۔ مگر رسول خدا کی زبان قانون ہے، کیونکہ خدا اسی زبان سے اپنا قانون بیان کرتا ہے۔ اب یہ کیسا سخت طغیان جاہلیت ہے کہ رسول کو محض ایک علاقے اور زمانے کے رئیس مملکت کی حیثیت دے کر کہا جائے کہ اس کے دیئے ہوئے احکام اور ہدایات بس اسی زمانے اور علاقے کے لوگوں کے لیے واجب الاتباع تھے، آج ان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔

غلط تصور کی فتنہ انگیزی

یہ تو ہے حقیقت کے خلاف اس تصور کی بغاوت۔ اب ذرا اس کی فتنہ انگیزی کا اندازہ کیجیے۔ آج جس چیز کو آپ اسلامی نظام حیات اور اسلامی تہذیب و تمدن کہتے ہیں، جس کے اصولوں اور عملی مظاہر کی یکسانی نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک امت بنا رکھا ہے، جس کی ایک رنگی نے مسلم کو مسلم سے جوڑا اور کافر سے توڑا ہے جس کی امتیازی خصوصیات نے مسلمانوں کو ساری دنیا میں غیر مسلموں سے ممتاز کیا اور سب کے الگ ایک مستقل امت بنایا ہے، اس کا تجزیہ کر کے

آپ دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کا کم از کم $\frac{1}{9}$ حصہ وہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقتدار رسالت سے مسلمانوں میں رائج کیا ہے اور مشکل $\frac{1}{9}$ حصہ ایسا ہے جس کی سند قرآن میں ملتی ہے پھر اس $\frac{1}{9}$ کا حال بھی یہ ہے کہ اگر اس پر عمل درآمد کی وہ صورت شریعت واجب الاتباع نہ ہو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کی ہے تو دنیا میں مختلف مسلمان - افراد بھی اور گروہ بھی اور ریاستیں بھی - اس پر عمل درآمد کی اتنی مختلف شکلیں تجویز کریں کہ ان کے درمیان کوئی وحدت یک رنگی باقی نہ رہے۔ اب خود اندازہ کر لیجیے کہ اگر وہ سب کچھ ساقط کر دیا جائے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رواج دینے سے مسلمانوں میں رائج ہے تو اسلام میں باقی کیا رہ جائے گا جسے ہم اسلامی تہذیب و تمدن کہہ سکیں اور جس پر دنیا بھر کے مسلمان مجتمع رہ سکیں۔

چند مثالیں اور نتائج

مثال کے طور پر دیکھیے۔ یہ اذان جو دنیا بھر میں مسلمانوں کا سب سے زیادہ نمایاں ملی شعار ہے، جسے روئے زمین کے ہر گوشے میں ہر روز پانچ وقت مسلم اور کافر سب سنتے ہیں، اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے مقرر اور رائج کیا ہے۔ قرآن میں اس کا کوئی حکم نہیں۔ نہ وہ اس کے الفاظ بتاتا ہے نہ یہ حکم دیتا ہے کہ روزانہ پانچ وقت نمازوں سے پہلے یہ پکارا جائے۔ اس میں ایک جگہ صرف یہ کہا گیا ہے کہ اِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ - جب پکارا جائے نماز کے لیے جمعہ کے روز تو دوڑو واللہ کی یاد کی طرف: ظاہر ہے کہ یہ پکار سن کر

دوڑنے کا حکم ہے، خود اس پکار کا حکم نہیں ہے، دوسری جگہ اہل کتاب کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوا هَاهُنَا وَأُولَٰئِكَ جَاءُوا "جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو وہ اسے مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں" یہ سسرے سے کوئی حکم ہی نہیں ہے بلکہ صرف ایک راجح شدہ چیز کا مذاق اڑانے پر اہل کتاب کی مذمت کی جا رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر وہ اختیار و اقتدار جس نے اس اذان کے الفاظ مقرر کیے اور اسے مسلمانوں میں رواج دیا، دائمی اور عالمگیر شریعت مقرر کرنے کا مجاز نہ ہوتا تو کیا صرف ان دو آیتوں کی بنیاد پر آج دنیا میں آپ اذان کی آواز کہیں سن سکتے تھے؟ خود یہ نماز باجماعت جس کے لیے اذان دی جاتی ہے، اور یہ نماز جمعہ جس کی پکار سن کر دوڑنے کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ عیدین کی نمازیں جو ہزار ہا مسلمانوں کو اکٹھا کرتی ہیں، اور یہ مسجدیں جو دنیا بھر میں مسلم معاشرے کی اجتماعی زندگی کے لیے مرکز کی حیثیت رکھتی ہیں، ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جس کا حکم قرآن میں دیا گیا ہو۔ قرآن صرف نماز کا حکم دیتا ہے، باقاعدہ نماز باجماعت ادا کرنے کا کوئی صاف حکم نہیں دیتا۔ جمعہ کی نماز کے لیے وہ صرف یہ کہتا ہے کہ جب اس کے لیے پکارا جائے تو دوڑ پڑو۔ اسے خود نماز جمعہ قائم کرنے کا حکم مشکل ہی سے کہا جاسکتا ہے۔ عیدین کی نمازوں کا تو سسرے سے اس میں کوئی ذکر ہی نہیں۔ رہیں مسجدیں تو ان کے احترام کا حکم ضرور قرآن میں دیا گیا ہے مگر یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ اے مسلمانو! تم اپنی ہر بستی میں مسجد تعمیر کرو اور اس میں ہمیشہ نماز باجماعت قائم کرنے کا اہتمام کرو۔

یہ ساری چیزیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس اختیار و اقتدار کی بنا پر جس کے ساتھ اللہ نے آپ کو شارع مقرر کیا تھا، مسلمانوں میں رائج کی ہیں۔ اگر یہ اختیار و اقتدار مسلم نہ ہوتا تو اسلام کے یہ نمایاں ترین شعائر، جن کا مسلمانوں کو مجتمع کرنے اور ایک یک رنگ امت بنانے اور اسلامی تہذیب کی صورت گری کرنے میں سب سے زیادہ حصہ ہے کبھی قائم نہ ہوتے اور مسلمان آج مسیحیوں سے بھی زیادہ منتشر و پراگندہ ہوتے۔

یہ صرف سامنے کی چند مثالیں ہیں۔ ورنہ تفصیل کے ساتھ دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اگر ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف ایک کتاب ہی ملی ہوتی اور اس کے ساتھ اللہ کے رسول نے آکر انفرادی زندگی سے لیکر خاندان، معاشرے اور ریاست تک کے معاملات میں ہمارے لیے تہذیب کی ایک متعین صورت نہ بنا دی ہوتی تو آج ہم ایک غالمگیر ملت و احدہ کی حیثیت سے موجود نہ ہوتے۔ اب جو شخص اس رسالت کی شرعی حیثیت اور اس کی قانونی سند کو چیلنج کرتا ہے اُس کے اس چیلنج کی زد ایک قربانی کے مسئلے یا دوچار منفرد مسئلوں پر نہیں پڑتی، بلکہ اسلامی تہذیب کے پورے نظام اور ملت اسلامیہ کی اساس و بنیاد پر پڑتی ہے۔ جب تک ہم بالکل خودکشی پر آمادہ نہ ہو جائیں ہمارے لیے کسی کی یہ بات ماننا محال ہے کہ جس چیز کی سند قرآن میں ملے بس ہی باقی رہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سند پر قبضی چیزوں کا مدار ہے وہ سب ساقط کر دی جائیں۔

سُنّتِ قرآن کی عملی تشریح ہے

اعتراض کی اس غلط بنیاد اور اس کے خطرناک نتائج کو سمجھ لینے کے بعد اب بجاتے خود اس مسئلے کو دیکھیے جس پر اعتراض کیا جا رہا ہے۔ قربانی کے متعلق یہ کہنا کہ قرآن میں سرے سے اس کا کوئی حکم ہی نہیں ہے، خلاف واقعہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن وہ اصولی حقائق بیان کرتا ہے جن کی بنا پر انسان کو اللہ تعالیٰ کے لیے جانوروں کی قربانی کرنی چاہیے، اور پھر اس کا ایک عام حکم دے کر چھوڑ دیتا ہے۔ اس حکم پر عمل درآمد کیسے کیا جائے، اس کی کوئی تصریح وہ نہیں کرتا۔ یہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کہ آپ اُسی خدا کی ہدایت کے تحت جس نے قرآن آپ پر نازل کیا تھا اس کی عملی صورت، اس کا وقت، اس کی جگہ اور اس کے ادا کرنے کا صحیح طریقہ مسلمانوں کو بتائیں اور خود اس پر عمل کر کے دکھائیں۔ یہ کام تنہا ایک قربانی کے متعلق ہی نہیں، قرآن کے دوسرے احکام کے متعلق بھی حضور نے کیا ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق، وراثت، غرض مسلم معاشرے کے مذہب اور تمدن و معاشرت اور معیشت و سیاست اور قانون و عدالت اور صلح و جنگ کے تمام معاملات میں یہی کچھ ہوا ہے کہ قرآن نے کسی کے بارے میں مختصر اور کسی کے بارے میں کچھ تفصیل کے ساتھ احکام دیئے یا صرف اشارۃً اللہ تعالیٰ کی مرضی بیان کر دی، اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عملی جامہ پہنانے کی صورتیں واضح حدود کے ساتھ متعین فرمائیں، ان پر خود کام کیے دکھایا، اور اپنی رہنمائی میں ان کو رائج کیا۔ کوئی صاحب عقل آدمی اس میں شک نہیں کر سکتا کہ کتابی رہنمائی کے ساتھ یہ عملی رہنمائی بھی انسانوں کو درکار تھی، اور اس رہنمائی

کے لیے اللہ کے رسول کے سوا کوئی دوسرا نہ موزوں ہو سکتا تھا نہ مجاز

قرآنی احکام اور انہی حکمت

قرآن میں اس مسئلے کے متعلق جو اصولی باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ عبادت کی تمام وہ صورتیں جو انسان نے غیر اللہ کے لیے اختیار کی ہیں ہیں
 حق میں وہ سب غیر اللہ کے لیے حرام اور خالصتہ اللہ تعالیٰ کے لیے واجب کر دی
 گئیں۔ مثلاً انسان غیر اللہ کے آگے جھکتا اور سجدے کرتا تھا۔ دین حق نے اسے اللہ کے
 لیے مخصوص کر دیا اور اس کے لیے نماز کی صورت مقرر کر دی۔ انسان غیر اللہ کے سامنے
 مالی نذرانے پیش کرتا تھا۔ دین حق نے اسے اللہ کے لیے خاص کر دیا اور اس کی عملی صورت
 زکوٰۃ مقرر کر دی۔ انسان غیر اللہ کے نام پر روزے رکھتا تھا۔ دین حق نے اسے بھی اللہ
 کے لیے مختص کر دیا اور اس غرض کے لیے رمضان کے روزے فرض کر دیئے۔ انسان غیر
 اللہ کے لیے تیرتھ یا تراکرتا اور استھانوں کے طواف کرتا تھا۔ دین حق نے اس کے لیے
 ایک بیت اللہ بنایا اور اس کا حج اور طواف فرض کر دیا۔ اسی طرح انسان قدیم ترین
 زمانے سے آج تک غیر اللہ کے لیے قربانی کرتا رہا ہے۔ دین حق نے اسے بھی غیر اللہ
 کے لیے حرام کر دیا اور حکم دے دیا کہ کوئی چیز بھی صرف اللہ کے لیے ہونی چاہیے چنانچہ
 دیکھیے، ایک طرف قرآن مجید مَا أَهْلًا لِعَبْدِ اللَّهِ بِهِ جسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا
 ہو، اور مَا ذَبَحَ عَلَى النَّصَبِ جسے استھانوں پر ذبح کیا گیا ہو، کو قطعاً حرام قرار دیتے
 ہیں اور دوسری طرف حکم دیتا ہے کہ فَصَلْ لِرَبِّكَ وَأَنْخِرْ اپنے رب ہی کے لیے نماز

پڑھ اور اسی کے لیے قربانی کر۔

۲۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں بھی عطا فرمائی ہیں ان سب کا شکریہ اس پر واجب ہے۔ اور یہ شکریہ ہر نعمت کے لیے قربانی اور نذرانہ کی شکل میں ہونا چاہیے۔ ذہن اور نفس کے عطیے کا شکریہ اسی شکل میں ادا ہو سکتا ہے کہ آدمی ایمان طاعت کی راہ اختیار کرے حیم اور اس کی طاقتوں کا عطیہ یہی شکریہ چاہتا ہے کہ آدمی مساز اور روزے کی شکل میں اسے ادا کرے۔ مال کے عطیے کا شکریہ زکوٰۃ ہی کی صورت میں ادا کیا جاسکتا ہے، اور زکوٰۃ بھی اس طرح کہ سیم وزر کی زکوٰۃ اسی سیم زر سے، زرعی پیداوار کی زکوٰۃ اسی پیداوار میں سے اور مویشی کی زکوٰۃ انہی مویشی میں سے نکالی جائے۔ اسی طرح اپنے پیدا کیے ہوئے جانوروں پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو قدرت بخشی ہے اور ان سے طرح طرح کے بیشمار فائدے اٹھانے کا جو موقع اس نے دیا ہے، اس کے شکریے کی بھی یہی صورت ہے کہ انسان ان جانوروں ہی میں سے اللہ تعالیٰ کے حضور قربانی پیش کرے۔ چنانچہ سورہ حج میں قربانی کی ہدایت فرمانے کے بعد اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ كَذٰلِكَ سَخَّرْنَا هٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ اسی طرح ہم نے ان کو تہا سے لیے مستخر کیا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو۔

۳۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں پر جو اقتدار اور تصرف کا اختیار بخشا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی بالادستی اور اس کی حاکمیت و مالکیت کا اعتراف کرتا رہے تاکہ اسے کبھی یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ سب کچھ میرا ہے اور

میں ہی اس کا خود مختار مالک ہوں۔ اس بالاتری کے اعتراف کی مختلف شکلیں اللہ کے مختلف عطیوں کے معاملے میں رکھی گئی ہیں۔ جانوروں کے معاملے میں اس کی شکل یہ ہے کہ انہیں اللہ کے نام پر قربان کیا جائے۔ چنانچہ اسی سورہ حج میں اسی سلسلہ کلام میں آگے چل کر فرمایا گیا کہ ذَٰلِكَ سَعْيُهَا لَكُمْ لِيَخْتَارُوا اللّٰهَ عَلَىٰ مَا هَدٰىكُمْ ۗ اِذْ اٰتٰىكُمْ اِلٰهًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ سَمِعُوا لَكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ان کو تمہارے لیے مستحکم کیا ہے تاکہ تم اس کی بڑائی کا اظہار کرو اس ہدایت پر جو اس نے تمہیں بخشی ہے۔

یہی تین وجوہ ہیں جن کی بنا پر قرآن مجید میں بتاتا ہے کہ ہمیشہ سے تمام شرائع الہیہ میں تمام امتوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے قربانی کا طریقہ مقرر کیا ہے:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اللّٰهَ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ (الحج - ۳۵) کا نام لیں جو اس نے انہیں بخشے ہیں۔

اور یہ طریقہ جس طرح دوسری امتوں کے لیے تھا اسی طرح شریعت محمدی میں امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی مقرر کیا گیا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذَٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَسْمِعُ الْبَلٰغَةَ لِقَوْمِي الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَعَلَّ يَذْكُرُوْنَ اَسْمَاءَ اللّٰهِ الَّتِيْ سَمِعُوا لَكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (الحج - ۲۶) اے محمد، کہو کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنے کا صرف اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں،

اَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ - اور اسی سبب کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور رب سے

پہلے میں سب اطاعت جھکانے والا ہوں۔ (الانعام - ۱۶۲)

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (الکوثر ۲) پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔

یہ حکم عام تھا جو قربانی کے لیے قرآن میں دیا گیا۔ اس میں یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ یہ قربانی کب کی جائے، کہاں کی جائے، کس پر واجب ہے، اور اس حکم پر عمل درآمد کرنے کی دوسری تفصیلات کیا ہیں۔ ان چیزوں کو بیان کرنے اور ان پر عمل کر کے بتانے کا کام اللہ نے اپنے رسول پر چھوڑ دیا کیونکہ رسولؐ اس نے بلا ضرورت نہیں بھیجا تھا۔ کتاب کے ساتھ رسولؐ بھیجنے کی غرض یہی تھی کہ وہ لوگوں کو کتاب کے مقصد و منشا کے مطابق کام کرنا سکھائے۔

اوقاتِ قربانی کی تعیین

اب ہمیں یہ بتانا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کیا شکل متعین فرمائی ہے، اور اس کا ثبوت کیا ہے کہ یہ شکل حضورؐ ہی کی متعین فرمائی ہوئی ہے۔

اولاً، حضورؐ نے یہ بات لوگوں کی مرضی پر نہیں چھوڑ دی کہ فرداً فرداً جس مسلمان کا جب جی چاہے اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی جانور قربان کر دے، بلکہ آپؐ نے تمام امت کے لیے تین دن مقرر فرما دیئے تاکہ تمام دنیا کے مسلمان ہر سال اپنی خاص دنوں میں اپنی اپنی قربانیاں ادا کریں۔ یہ بات ٹھیک اسلام کے فراج کے مطابق ہے۔ نماز کے معاملے میں بھی یہی کیا گیا ہے کہ فرض نمازوں کو پانچوں وقت جماعت کے ساتھ ادا

کرنے کا حکم دیا گیا، پہنچنے میں ایک مرتبہ جمعہ کی نماز لازم کی گئی تاکہ پنجوقتہ نمازوں سے زیادہ بڑے اجتماعات کی شکل میں مسلمان اسے ادا کریں، اور سال میں دو مرتبہ عیدین کی نمازیں مقرر کیں تاکہ انہیں ادا کرنے کے لیے جمعہ سے بھی زیادہ بڑے اجتماعات منعقد ہوں۔ اسی طرح روزوں کے معاملہ میں بھی تمام مسلمانوں کے لیے ایک مہینہ مقرر کر دیا گیا تاکہ سب مل کر ایک ہی زمانے میں یہ فرض ادا کریں۔ اجتماعی عبادت کا یہ طریقہ اپنے اندر بے شمار فوائد رکھتا ہے۔ اس سے پورے معاشرے میں اُس خاص عبادت کا ماحول طاری ہو جاتا ہے جسے اجتماعی طور پر ادا کیا جا رہا ہو۔ اس سے مسلمانوں میں وحدت و یگانگت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے خدا پرستی کی اخلاقی و روحانی بنیاد پر مسلمان ایک دوسرے سے متحد اور دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اِس سے ہر وہ فائدہ بھی ساتھ ساتھ حاصل ہوتا ہے جو انفرادی طور پر عبادت بجا لانے سے حاصل ہو سکتا ہے۔

ثانیاً، اس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر ایک یوم عید مقرر فرمایا اور مسلمانوں کو ہدایت کی کہ سب مل کر پہلے دو رکعت نماز ادا کریں، پھر اپنی اپنی قربانیاں کریں۔ یہ ٹھیک قرآنی اشارے کے مطابق ہے۔ قرآن میں نماز اور قربانی کا ساتھ ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے اور نماز کو قربانی پر مقدم رکھا گیا ہے۔ اِنَّ صَلَاتِنَا مَعَ قُرْبَانِيكَ وَانْخَرَجْنَا بِهَا مِمَّا مَنِعُوا عَنْكَ مِنْ اَنْ يَّصَلَكَ اِنَّ صَلَاتِنَا مَعَ قُرْبَانِيكَ وَانْخَرَجْنَا بِهَا مِمَّا مَنِعُوا عَنْكَ مِنْ اَنْ يَّصَلَكَ

کرتی ہے۔ ہر معاشرہ فطری طور پر یہ چاہتا ہے کہ اسے کچھ اجتماعی تہوار یعنی جمائیں جن میں اس کے سب افراد بل جمل کر خوشیاں منائیں۔ اس سے ان میں ایک جذباتی ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ اور تہوار کی یہ خاص صورت کہ اس کا آغاز اللہ کی ایک عبادت یعنی نماز سے ہو، اور اس کا پورا زمانہ اس طرح گزے کہ ہر وقت کسی نہ کسی گھر میں اللہ کی ایک دوسری عبادت یعنی قربانی انجام دی جا رہی ہو، اور اس عبادت کے طفیل ہر گھر کے لوگ اپنے دوستوں، عزیزوں، اور غریب ہمسایوں کو ہدیے اور تحفے بھی بھیجتے رہیں، یہ اسلام کی روح اور مسلم معاشرے کی فطرت کے عین مطابق ہے۔ اسلام ناچ رنگ اور لہو و لعب اور فسق و فجور کے میلے نہیں چاہتا۔ وہ اپنے بنائے ہوئے معاشرے کے لیے میلوں کی فطری مانگ ایسی ہی عید سے پوری کرنی چاہتا ہے جو خدا پرستی اور الفت و محبت اور ہمدردی و مواسات کی پاکیزہ روح سے لبریز ہو۔

قربانی کا تاریخی پس منظر

مثلاً، اس کے لیے حضور نے وہ خاص دن انتخاب فرمایا جس دن تاریخ اسلام کا سب سے زیادہ زریں کار نامہ حضرت ابراہیم واسمعیل علیہما السلام نے انجام دیا تھا یعنی یہ کہ پوٹھاباپ اپنے رب کا ایک اشارہ پاتے ہی اپنے اکلوتے جوان بیٹے کو قربان کر دینے کے لیے ٹھنڈے دل سے آمادہ ہو گیا، اور بیٹا بھی یہ سن کر کہ مالک اس کی جان کی قربانی چاہتا ہے، چھری تلے گردن رکھ دینے پر بخوشی راضی ہو گیا اس طرح یہ محض قربانی کی عبادت ہی نہ رہی بلکہ ایک بڑے تاریخی واقعہ کی یادگار بھی بن گئی

جو ایمانی زندگی کے اس فہمائے مقصود، اُس کے اس آئیڈیل اور مثیل اعلیٰ کو مسلمانوں کے سامنے تازہ کرتی ہے کہ انہیں اللہ کی رضا پر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ قربانی کا حکم بجالانے اور عید کا تہوار منانے کے لیے سال کا کوئی دن بھی مقرر کیا جاسکتا تھا۔ اس سے دوسرے تمام فوائد حاصل ہو جاتے، مگر یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا۔ اس کے لیے اس خاص تاریخ کا انتخاب بیک کرشمہ دوکار کا مصداق ہے۔ ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس انتخاب کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے۔ آپ سے پوچھا گیا مَا هَذِهِ الْأَضَاحِي، یہ قربانیاں کیسی ہیں؟ فرمایا نُسْتَقْتُ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ، یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے دُستِ واحد، ترمذی، ابن ماجہ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس واقعہ کے بعد برسِ سال اسی تاریخ کو جانور قربان فرمایا کرتے تھے حضور نے اس سنت کو زندہ کیا اور اپنی امت کو ہدایت فرمائی کہ قرآن میں قربانی کا جو عام حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل خصوصیت کے ساتھ اُس روز کریں جس روز حضرت ابراہیم اپنی اس عظیم الشان قربانی کی یاد تازہ کیا کرتے تھے۔ اپنی تاریخ کے یادگار واقعات کا "یوم" دنیا کی ہر قوم منایا کرتی ہے۔ اسلام کا مزاج یادگار منانے کے لیے بھی اُس دن کا انتخاب کرتا ہے جس میں دو بندوں کی طرف سے خدا پرستی کے انتہائی کمال کا مظاہرہ ہوا۔

اسے عالمگیر بنانے میں مصلحت

رابعاً، قربانی کے لیے اس دن کے انتخاب میں ایک اور مصلحت بھی تھی ہجرت

کے بعد پہلے ہی سال جب حج کا زمانہ آیا تو مسلمانوں کو یہ بات بُری طرح کھل رہی تھی کہ کفار نے اُن پر حرم کے دروازے بند کر رکھے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے اس غم کی تلافی اس طرح فرمائی کہ ایام حج کو مدینے ہی میں اُن کے لیے ایام عید بنا دیا۔ آپ نے اُن کو ہدایت فرمائی کہ ۹ رزی الحجہ یعنی یوم الحج، کی صبح سے جبکہ حاجی عرفات کے لیے روانہ ہوتے ہیں، وہ ہر نماز کے بعد اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد کا ورد شروع کریں اور ۱۳ رزی الحجہ تک یعنی جب تک حُجاج منیٰ میں ایام تشریق گزارتے ہیں، اس کا سلسلہ جاری رکھیں۔ نیز رزی الحجہ کو جب کہ حُجاج مُردفہ سے منیٰ کی طرف چلتے ہیں اور قربانی اور طواف کی سعادت حاصل کرتے ہیں وہ بھی دو گانہ نماز ادا کر کے قربانیاں کریں۔ یہ طریقہ فتح مکہ سے پہلے تک تو مسلمانوں کے لیے گویا ایک طرح کی تسلی کا ذریعہ تھا کہ حج سے محروم کر دیئے گئے تو کیا ہوا، ہمارا دل حج میں مشغول ہے اور ہم اپنے گھر ہی میں بیٹھے ہوئے حُجاج کے شریکِ حال ہیں۔ لیکن فتح مکہ کے بعد اسے جاری رکھ کر عملاً اس کو تمام دنیائے اسلام کے لیے حج کی توسیع بنا دیا گیا۔ اس کے معنی یہ ہو گئے کہ حج صرف مکہ میں حاجیوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ جس زمانے میں چند لاکھ حاجی وہاں مناسک حج ادا کر رہے ہوتے ہیں اسی زمانے میں ساری دنیائے اسلام کے کروڑوں مسلمان اُن کے شریکِ حال ہوتے ہیں، ہر مسلمان، جہاں بھی وہ ہے، اُس کا دل اُن کے ساتھ ہوتا ہے، اس کی زبان اللہ کے کلمے بلند کرتی رہتی ہے، وہ ان کی قربانی اور طواف کے وقت اپنی جگہ ہی نماز ادا

قرآنی اوکر رہا ہوتا ہے قرآنی کی حقیقی رُوح

خاصاً، قرآنی کا جو طریقہ حضور نے سکھایا وہ یہ تھا کہ عید الاضحیٰ کا دو گانہ نماز ادا کرنے کے بعد قرآنی کی جائے اور جانور ذبح کرتے وقت یہ کہا جائے:

میں نے کیسے ہو کر اپنا رُخ اُس ذات کی	إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلدِّينِ
طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمانوں کو	نَطَوَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَ
پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں	مَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ. إِنَّ صَلَاتِي
ہوں۔ بسے شک میری نماز اور قرآنی او	وَنُفْسِي وَحَيَاتِي وَمَمَاتِي
میرا نما اور جیسا ب اللہ رب العالمین کے لیے	بِاللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا أَشْرِكُ لَكَ
ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے	وَبَدَأَ إِلَيْكَ أُمْرَتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ
حکم دیا گیا ہے اور میں سب اطاعت مجھ کا	اللَّهُمَّ مِنْكَ وَتَكَ -

دالوں میں سے ہوں۔ خدا یا یہ تیرا ہی مال ہے اور تیرے ہی لیے حاضر ہے۔

1579

ان الفاظ پر غور کیجیے۔ ان میں وہ تمام وجوہ شامل ہیں جن کی بنیاد پر قرآن مجید میں قرآنی کا حکم دیا گیا ہے۔ ان میں اس بات کا اعلان ہے کہ دیوتاؤں کے لیے قرآنیوں کرنے والے مشرکین کے برعکس ہم صرف خدائے وحدہ لا شریک کے لیے قرآنی کی عبادت بجا لارہے ہیں۔ ان میں اس بات کا اعلان بھی ہے کہ اپنے پیدا

کیے ہوئے جانوروں سے فائدہ اٹھانے کی جو نعمت اللہ تعالیٰ نے ہمیں بخشی ہے اس کا شکر یہ ادا کرنے کے لیے یہ نذر ہم اس کے حضور پیش کر رہے ہیں۔ ان میں یہ اعلان بھی ہے کہ اس مال کے اصل مالک ہم نہیں ہیں، بلکہ یہ اللہ کے جانور ہیں جن پر اس نے ہم کو تصرف کا اختیار بخشا ہے، اور اس کی کبریائی کے اعتراف میں یہ نذرانہ ہم اس کے حضور گزاران رہے ہیں۔ اس میں یہ اظہار بھی ہے کہ جس طرح ہمیں حکم دیا گیا تھا ٹھیک اسی طرح ہم بھی صرف اللہ کے لیے نماز ادا کر کے آتے ہیں اور اب خالصتہً اسی کے لیے قربانی کے فرمان کی تعمیل کر رہے ہیں۔ پھر ان سب بڑھ کر، ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ عہد پیمان بھی ہے کہ ہماری نماز اور قربانی ہی نہیں، ہمارا مزنا اور جینا بھی صرف اسی کی ذات پاک کے لیے ہے۔ اور یہ عہد و پیمان اُس تاریخی دن میں کیا جاتا ہے جس دن اللہ کے دو بندوں نے اپنے عمل سے بتایا تھا کہ جینا اور مزنا اللہ کے لیے ہونے کا مطلب کیا ہے۔

نبی کی خدا داد بصیرت

یہ پانچ نکات جو اوپر عرض کیے گئے ہیں انہیں ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیے آپ کو ان میں ایک نبی کی خدا داد بصیرت اور ہدایت یافتہ حکمت ایسی نمایاں نظر آئے گی کہ اگر اس قربانی کے سنت رسول ہونے کی کوئی اور شہادت موجود نہ ہوتی تب بھی اُس کے اس طریقے کی اندرونی شہادت خود یہ بتا دینے کے لیے کافی تھی کہ اس کو اسی خدا کے رسول نے مقرر کیا ہے جس خدا نے قرآن نازل کیا ہے۔ قرآن مجید میں قربانی کے متعلق جو کچھ اور جتنا کچھ ارشاد فرمایا گیا تھا اس کو پڑھ کر کوئی غیر نبی، چاہے وہ کتنا ہی بڑا عالم

اور دانشمند ہی کیوں نہ ہوتا، اس سے زیادہ کوئی نتیجہ اخذ نہ کرتا کہ مسلمان وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ کے لیے قربانی کی عبادت بجالاتے رہیں۔ وہ کبھی ان ارشادات سے یہ منشا نہ پاسکتا کہ ساری دنیا نے اسلام کے لیے قربانی کا ایک دن مقرر کیا جائے۔ اس دن کو یوم العید قرار دیا جائے، وہ دن حضرت ابراہیم و اسمعیل علیہما السلام کی قربانی کا دن ہونا چاہیے، وہ دن اور اس کے سابق و لاحق ایام زمانہ حج کے بھی مطابق ہونے چاہیں، اور یہ قربانی ایسے طریقے سے ادا کی جانی چاہیے کہ اس سے اسلام کی پوری روح تازہ ہو جائے۔ یہ منشا ایک نبی کے سوا اور کون پاسکتا تھا؟ اس منشا کو پانا اُس نبی کے سوا اور کس کا کام ہو سکتا تھا جس پر خدا نے اپنا قرآن نازل فرمایا تھا؛ مگر اس کے سنت رسول ہونے کی اس اندرونی شہادت کے علاوہ اس کی خارجی شہادتیں بھی اتنی زیادہ اور اتنی مضبوط ہیں کہ بجز ایک ہٹ دھرم آدمی کے کوئی ان کا انکار نہیں کر سکتا۔

احادیث سے قربانی کا ثبوت

اس کی پہلی شہادت وہ کثیر روایات ہیں جو حدیث کی تمام معتبر کتابوں میں صحیح اور متصل سندوں کے ساتھ بہت سے صحابہ کرام سے یہ بات نقل کرتی ہیں کہ حضور نے عید الاضحیٰ کی قربانی کا حکم دیا، خود اس پر عمل فرمایا اور مسلمانوں میں اس کو سنت الاسلام کی حیثیت سے رواج دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں دست

سال مقیم رہے اور ہر سال قربانی کرتے رہے۔ (ترمذی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو وصیت کی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کرتا رہوں، چنانچہ میں آپ کی طرف سے قربانی کیا کرتا ہوں۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں فرمایا کہ اقل ما نبدأ به فی یومنا هذا ان نضعی ثم نرجع فنخرف من فعل ذالک فقد اصاب سنتنا یہ آج کے دن ہم پہلے نماز پڑھتے ہیں، پھر پلٹ کر قربانی کرتے ہیں۔ پس جس نے اس طریقے کے مطابق عمل کیا اس نے ہماری سنت پالی۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ حضور نے فرمایا الاضحیٰ یوم یضحی الناس۔ الاضحیٰ وہ دن ہے جس میں لوگ قربانی کرتے ہیں۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا من وجد سعة فلم یضح فلیقر بن مصلانا۔ جو شخص طاقت رکھتا ہو اور پھر قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ میں نہ آئے۔ (مسند احمد۔ ابن ماجہ)

حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا ما عمل ابن آدم یوفی الا بخیر عملاً احب الی اللہ من هراقة دمه۔ قربانی کے دن آدم کی اولاد کا کوئی فعل اللہ کو اس سے زیادہ پسند نہیں کہ وہ خون بہائے۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

حضرت بُریدہ کہتے ہیں کہ عید الاضحیٰ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے واپسی تک کچھ نہ کھاتے پیتے تھے اور واپس آکر اپنی قربانی کا گوشت تناول فرماتے تھے (مسند احمد)۔
حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید الاضحیٰ کی نماز پڑھی، پھر جب آپ پٹے تو آپ کے حضور ایک مینڈھا لایا گیا اور آپ نے اسے ذبح فرمایا (مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد)۔

امام زین العابدین حضرت ابو رافعؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور عید الاضحیٰ کے لیے دو موٹے تازے بڑے سینگوں والے چکبرے مینڈھے خریدتے تھے اور عید کی نماز اور نعلے سے فارغ ہونے کے بعد ایک مینڈھا اپنی تمام اُمت کی طرف سے اور ایک اپنی اور اپنی آل کی طرف سے قربان فرماتے تھے (مسند احمد)۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ ہی میں ذبح اور نحر فرمایا کرتے تھے (بخاری، نسائی، ابن ماجہ، ابوداؤد)۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ میں دو چکبرے بڑے سینگوں والے مینڈھوں کی قربانی دی (بخاری، مسلم، ابویہی، مضمون)۔
حضرت جابر بن عبد اللہ سے بھی مروی ہے (ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی)۔

ابو بن عازب، جنذب بن سفيان الجعفی اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم کی متفقہ روایات یہ ہیں حضور نے فرمایا کہ جس شخص نے عید کی نماز سے پہلے ذبح کر لیا اس کی قربانی نہیں ہوئی، اور جو نماز کے بعد ذبح کرے اس کی قربانی ہوگی اور اس نے سنتِ مسیئین پر عمل

کیا دبخاری، مسلم، مسند احمد)

حضرت جابر عبد اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ہم کو قربانی کے دن نماز پڑھانی، اس کے بعد کچھ لوگوں نے آگے بڑھ کر حضور سے پہلے قربانی کر لی۔ اس پر آپ نے حکم دیا کہ جس کسی نے ایسا کیا ہے اسے پھر قربانی کرنی چاہیے اور کسی کو اس وقت تک قربانی نہیں کرنی چاہیے جب تک کہ نبی اپنی قربانی نہ کرے (مسلم، مسند احمد)

یہ روایات اور کثرت دوسری روایات جو احادیث میں آئی ہیں، سب اپنے مضمون میں متفق ہیں، اور کوئی ایک ضعیف سے ضعیف روایت بھی کہیں موجود نہیں ہے جو یہ بتاتی ہو کہ عید الاضحیٰ کی یہ قربانی سنت رسول نہیں ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ حج کے موقعہ پر مکہ معظمہ میں نہ کوئی عید الاضحیٰ منائی جاتی ہے اور نہ کوئی نماز قربانی سے پہلے پڑھی جاتی ہے، اس لیے ان تمام احادیث میں لازم صرف اسی عید اور قربانی کا ذکر ہے جو مکہ سے باہر ساری دنیا میں ہوتی ہے۔

فقہائے اہم امت کا اتفاق

دوسری اہم شہادت عہد نبوت سے قریب زمانے کے فقہائے امت کی ہے جو سب بالاتفاق اس قربانی کو مسنون اور مشروع کہتے ہیں اور کسی ایک فقیہ کا قول بھی اس کے خلاف نہیں ملتا۔ ان فقہاء سے یہ بات بالکل بعید تھی کہ سب کے سب بلا تحقیق ایک فعل کو سنت مان بیٹھے۔ اور وہ ایسے زمانے میں تھے جب یہ تحقیق کرنا

کے تمام ذرائع موجود تھے کہ یہ کام جو مسلمان کر رہے ہیں یہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ سنت ہی ہے یا کسی اور کی راجح کردہ بدعت۔

مثلاً امام ابوحنیفہؒ کو دیکھیے۔ وہ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے درمیان صرف ۷۰ سال کا فاصلہ ہے۔ ان

کے زمانے میں بعض طویل النمر صحابہ موجود تھے۔ اور ایسے لوگ تو ہزاروں کی تعداد میں جگہ

جگہ پائے جاتے تھے جنہوں نے خلفائے راشدین کا زمانہ دیکھا تھا اور صحابہ کرام کی صحبت

پائی تھی۔ پھر کوفہ جو امام صاحب کا وطن تھا، کسی سال تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دارالخلافت

رہ چکا تھا۔ امام صاحب کی پیدائش اور حضرت علیؓ کی شہادت کے درمیان صرف ۲۰ سال

کا زمانہ گزرا تھا۔ اس شہر میں ان لوگوں کا شمار نہ کیا جاسکتا تھا جو خلیفہ رابع کا عہد دیکھ چکے

تھے۔ کیا کوئی شخص تصور کر سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کو یہ تحقیق کرنے میں کوئی مشکل پیش آسکتی

تھی کہ قرمائی کا یہ طریقہ کیسے اور کیسے شروع ہوا ہے اور کس نے اسے جاری کیا ہے؟

اسی طرح امام مالکؒ کی مثال لیجیے۔ وہ ۱۷۳ھ میں مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے

اور وہیں ساری عمر گزارے۔ اس شہر میں سینکڑوں خاندان ایسے موجود تھے جن کے بڑے

بڑھوں اور بڑی بوڑھیوں نے خلافت راشدہ کا عہد دیکھا تھا، صحابہ کرام کی گودوں

میں پرورش پائی تھی، اور جن کے اپنے بزرگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے

کیا کوئی شخص باور کر سکتا ہے کہ اس شہر کے لوگ اتنی قلیل مدت میں عہد نبوی کی روایات

گم کر چکے تھے اور وہاں کوئی یہ بتانے والا نہ تھا کہ عید الاضحیٰ کی یہ قرمائی کس نے راجح کی ہے؟

یہی حال پہلی اور دوسری صدی ہجری کے تمام فقہاء کا ہے۔ وہ سب عہد نبوت سے اتنے قریب زمانے میں تھے کہ ان کے لیے سنت اور بدعت کی تحقیق کرنا کوئی بڑا مشکل کام نہ تھا اور وہ آسانی کے ساتھ اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو سکتے تھے کہ جو چیز سنت نہ ہو اسے سنت سمجھ بیٹھیں۔

امت کا تواتر عمل

تیسری اہم ترین شہادت امت کے متواتر عمل کی ہے۔ عید الاضحیٰ اور اس کی قربانی جس روز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع کی اسی روز سے وہ مسلمانوں میں عملاً رائج ہو گئی اور اس وقت سے آج تک تمام دنیا میں پوری مسلم امت ہر سال مسلسل اس پر عمل کرتی چلی آرہی ہے۔ اس کے تسلسل میں کبھی ایک سال کا انقطاع بھی واقع نہیں ہوا ہے۔ ہر نسل نے پہلی نسل سے اس کو سنت اسلام کے طور پر پایا ہے اور بعد والی نسل کی طرف اسے منتقل کیا ہے۔ یہ ایک عالمگیر عمل ہے جو ایک ہی طرح دنیا کے ہر اُس گوشے میں ہوتا رہا ہے جہاں کوئی مسلمان پایا جاتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا متواتر عمل ہے جس کی زنجیر ہمارے عہد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک اس طرح مسلسل قائم ہے کہ اس کی ایک کڑی بھی کہیں سے غائب نہیں ہے۔ درحقیقت یہ ویسا ہی تواتر ہے جس تواتر سے ہم کو قرآن پہنچا ہے اور یہ خبر پہنچی ہے کہ چودہ سو سال پہلے عرب میں محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے۔ کوئی فتنہ پرداز اس تواتر کو بھی اگر مشکوک ٹھیرائے تو پھر اسلام میں کیا چیز شک سے محفوظ رہ جاتی ہے۔

اس معاملے کی اصل نوعیت یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہماری تاریخ کا کوئی دور ایسا گزرا ہو جس میں قربانی اور اس کی عید رائج نہ رہی ہو، پھر کسی قدیم نوشتے میں اس کا حکم لکھا ہو اہل گیا ہو اور کچھ ملاؤں نے اٹھ کر لوگوں سے کہا ہو کہ دیکھو فلاں جگہ ہم کو یہ لکھا ملا ہے لہذا اے مسلمانو، آؤ ہم عید الاضحیٰ منیٰ کریں اور اس میں جانوروں کی قربانی دیا کریں۔ اگر ایسا ہوتا ہوتا تو تاریخ میں کہیں اس کا سُرخ ملا کہ یہ واقعہ کب اور کہاں پیش آیا اور کون لوگ اس کے ذمہ دار تھے۔ پھر کسی ملا کی کبھی مسلمانوں میں یہ حیثیت نہیں رہی ہے کہ وہ کسی پُرانے نوشتے سے ایک حکم نکال کر دکھائے اور تمام دنیا کے مسلمان بالائفاق اور بے چوں وچرا اس کی بات مان کر اس کی پیروی شروع کر دیں اور کوئی یہ نوٹ تک نہ کرے کہ یہ طریقہ پہلے ہم میں رائج نہ تھا، فلاں ملا صاحب کے کہنے سے اب حال ہی میں اس پر عمل شروع ہوا ہے۔

ہمارا اخلاقی انحطاط

یہ تین قسم کی شہادتیں ایک دوسری سے پوری طرح مطابقت کر رہی ہیں۔ حدیث کی کثیر التعداد مستند و معتبر روایات، اُمت کے تمام معتمد علیہ فقہاء کی تحقیقات اور پوری اُمت کا مسلسل و متواتر عمل، تینوں سے ایک ہی بات ثابت ہو رہی ہے۔ اس کے بعد اس امر میں کس شک کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ یہ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا مقدر کیا ہوا ہے؟ اب اگر اس کے مقابلے میں کسی شخص کے پاس کوئی ایفٹے سے اونٹے درجے کی شہادت بھی ایسی ہے جس سے وہ یہ ثابت کر سکے کہ یہ مقدر کا مقدر

کیا ہوا نہیں ہے، تو وہ اسے سامنے لائے اور ہمیں بتائے کہ اسے کب، کس ملانے کہاں گھڑا اور کیسے تمام دنیا کے مسلمان آنا بڑا دھوکہ کھا گئے کہ اسے سنت رسول مان لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ذہنی انحطاط اور اخلاقی تنزل کی اس نئے زیادہ نمونہ ناک تصویر اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ ہمارے درمیان جو شخص چاہتا ہے اٹھ کر ہمارے دین کے بالکل ثابت شدہ، مسلم اور متفق علیہ حقائق کو، بلکہ اس کی بنیادوں تک کو بے تکلف چیلنج کر دیتا ہے اور دیکھتے دیکھتے اس کی تائید میں آوازیں بلند ہونے لگتی ہیں، حالانکہ اس کے پاس اس کے اپنے مجرّد دعوے کے سوا نہ کوئی دلیل ہوتی ہے نہ شہادت۔

مخالفین کے دلائل کا دینی تجربہ

لے لے کر بس یہ ایک بات عوام کو فریب دینے کے لیے بڑی ذہنی سمجھ کر بار بار پیش کی جاتی ہے کہ قربانی پر ہر سال لاکھوں روپیہ ضائع ہوتا ہے، اسے جانوروں کی قربانی کے بجائے رفاہ عام یا قومی ترقی کے کاموں پر صرف ہونا چاہیے۔ لیکن یہ بات کئی وجوہ سے غلط ہے۔

— اول یہ کہ جس چیز کا قرآن اور سنت سے حکم خدا و رسول ہونا ثابت ہو اس کے بارے میں کوئی مسلمان — اگر وہ واقعی مسلمان ہے — یہ خیال نہیں کر سکتا کہ اس پر مال یا وقت یا محنت صرف کرنا اسے ضائع کرنا ہے۔ ایسی بات جو شخص سوچتا ہے وہ ان سب سے زیادہ قیمتی چیز یعنی اپنا ایمان ضائع کرتا ہے۔

— دوسرے یہ کہ اسلام کی نگاہ میں رفاہ عام اور قومی ترقی کے کاموں کی بھی

ایک قیمت ہے، مگر ان سے بدرجہا زیادہ قیمت اس کی نگاہ میں اس بات کی ہے کہ مسلمان شکرک سے ہر طرح محفوظ ہوں، توحید پران کا عقیدہ ہر لحاظ سے خیال اور عمل میں مستحکم ہو، اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی کبریائی کا اعتراف اور اس کی عبادت و بندگی بجا لانے کی عادت ان کی زندگی میں پوری طرح جڑ پکڑے رہے، اور وہ اللہ کی رضا پر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لیے مستعد رہیں۔ ان مقاصد کے لیے جن کاموں کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے ضروری قرار دیا ہے ان میں سے ایک یہ قربانی بھی ہے۔ اس پر مال کا صرف رفاہ عام اور قومی ترقی کے ہر کام سے بہت زیادہ قیمتی کام پھرتا ہے۔ اسے ضیاع صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس کی قدیریں اسلام کی قدروں سے اصلاً مختلف ہو چکی ہیں۔

تیسرے یہ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے جس عبادت کی جو شکل مقرر کر دی ہے کوئی چیز اس کا بدل نہیں ہو سکتی، الایہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ برحق نے خود ہی دُئیاتین مبادل صورتیں تجویز کر کے ہمیں ان میں سے کسی ایک کا اختیار دے دیا ہو۔ ہمارا فرض ہر حکم کو اسی صورت میں بجالانا ہے جو شارع نے اس کے لیے مقرر کی ہے ہم خود مختار بن کر اس کا بدل آپ ہی آپ تجویز نہیں کر سکتے نماز کے بجائے اگر کوئی شخص اپنی ساری دولت بھی خیرات کر دے تو وہ ایک وقت کی نماز کا بدل بھی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح قربانی کے بجائے آپ خواہ کوئی بڑی سے بڑی نیکی بھی کر ڈالیں، وہ عید الاضحیٰ کے تین دنوں میں جان بوجھ کر قربانی نہ کرنے کا معاوضہ ہرگز نہ بن سکے گی۔ بلکہ اگر یہ حرکت

اس نظریے کی بنا پر کی جائے کہ اس عبادت کے لیے ہم نے خدا اور رسولؐ کی مقرر کردہ صورت سے بہتر صورت تجویز کی ہے تو یہ نیکی کیسی، ایک بدترین معصیت ہوگی۔

اجتماعی نقطہ نظر سے جائزہ

پھر ذرا دینی نقطہ نظر سے ہٹ کر محض اجتماعی نقطہ نظر سے بھی اس ضیاع کے عجیب تصور پر غور کیجیے۔ دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو اپنی تقریبات پر، اپنے میلوں پر اور اپنے قومی اور بین الاقوامی تہواروں پر لاکھوں کروڑوں روپیہ صرف نہ کرتی ہو۔ ان چیزوں کے تمدنی و اجتماعی اور اخلاقی فوائد اس سے بہت زیادہ ہیں کہ کوئی قوم محض دولت کے گز سے اسے ناپے اور روپے کے وزن سے ان کو تولے۔ آپ یورپ اور امریکہ کسی سخت مادہ پرست آدمی کو بھی اس بات کا قائل نہیں کر سکتے کہ کرسس پر ہر سال جو بے شمار دولت ساری دنیائے عیسائیت مل کر صرف کرتی ہے یہ روپے کا ضیاع ہے۔ وہ آپ کی اس بات کو آپ کے مُنہ پر مار دے گا اور بلا تامل یہ کہے گا کہ دنیا بھر میں بٹی ہوئی بے شمار فرقوں اور سیاسی قومیتوں میں تقسیم شدہ مسیحی ملت کو اگر ایک بین الاقوامی تہوار بالاتفاق منانے کا موقع ملتا ہے تو اس کے اجتماعی اور اخلاقی فوائد اس کے خراج سے بہت زیادہ ہیں۔ ہندوؤں جیسی زر پرست قوم تک اپنے میلوں اور تہواروں کو اس مال کی میزان میں تولنے کے لیے تیار نہیں ہے جو ان تقریبات پر صرف ہوتا ہے اس لیے کہ یہ چیز ان کے اندر وحدت پیدا کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ یہ نہ ہو تو ان کے فرتے اور اختلافات اور طرح طرح کے باہمی امتیازات اتنے زیادہ ہیں کہ وہ کسی جمع ہو

ایک قوم نبین سکیں یہی معاملہ ان دوسری اجتماعی تقریبات کا ہے جو دنیا کی مختلف قومیں وقتاً فوقتاً مشترک طور پر مناتی ہیں۔ ہر ایک تقریب اپنی ایک محسوس صورت چاہتی ہے اور اس صورت کو عمل میں لانے پر بہت کچھ صرف ہوتا ہے۔ مگر کوئی قوم بھی یہ حقیقت کی بات نہیں سوچتی کہ بس ہسپتال اور مدرسے اور کارخانے ہی ایک چیز ہیں جن پر سب کچھ لگ جانا چاہیے اور یہ تہوار اور تقریبات سب فنشول میں۔ حالانکہ دنیا کی کسی قوم کی تقریبات اور تہواروں میں وہ بلند اور پاکیزہ روحانی، اعتقادی اور اخلاقی رُوح موجود نہیں ہے جو ہماری عید الاضحیٰ میں پائی جاتی ہے، اور کسی تہوار اور تقریب کے منانے کی صورت ہر طرح کے شرک و فسق اور مکروہات سے اس درجہ خالی نہیں ہے جتنی ہماری عیدیں ہیں اور کسی تہوار کے متعلق کسی قوم کے پاس خدا کی کتاب اور اس کے رسول کا حکم موجود نہیں ہے جیسا ہمارے پاس ہے۔ اب کیا ہم مادہ پرستی میں سب سے بازی لے جانے کا غم کر چکے ہیں؟

اور یہ قربانی پر روپیہ ضائع ہونے کا آخر مطلب کیا ہے؟ یہ کہاں ضائع ہوتا ہے؟ قربانی کے لیے جو جانور خریدے جاتے ہیں ان کی قیمت ہماری ہی قوم کے ان لوگوں کی جیبوں میں تو جاتی ہے جو ان جانوروں کو پالتے اور ان کی تجارت کرتے ہیں۔ اسی کا نام اگر ضائع ہونا ہے تو اپنے ملک کے سائے بازار اور سب دوکانیں بند کر دیجیے، کیونکہ ان سے مال خریدنے پر کروڑوں روپیہ روز ضائع ہو رہا ہے۔ پھر جو جانور خریدے جاتے ہیں کیا وہ زمین میں دفن کر دیئے جاتے ہیں یا آگ میں جھونک دیئے جاتے ہیں؟ ان کا گوشت انسان

ہی تو کھاتے ہیں۔ یہ اگر ضیاع ہے تو سال بھر انسانی خوراک پر جو کچھ صرف ہوتا رہتا ہے اس کے بند کرنے کی بھی کوئی سبیل ہونی چاہیے۔

اب کچھ لوگوں نے یہ محسوس کر کے کہ یہ ضائع ہونے کی بات چلتی نظر نہیں آتی۔ یہ افسانہ تراشا ہے کہ بقر عید میں بہت سا گوشت سڑ کر پھک جاتا ہے۔ حالانکہ ہم بھی اس ملک میں ایک مدت سے جی رہے ہیں۔ ہم کو تو کبھی سڑے ہوئے گوشت کے ڈھیر نظر نہیں آئے۔ وہ بتائیں انہیں کہاں ان کا دیدار میسر ہوا ہے۔

حال میں ایک اور آواز اٹھی ہے کہ ملک میں روز بروز جانوروں کی کمی ہوتی جا رہی ہے اور اسی وجہ سے دودھ اور گھی کی فراہمی بھی کم ہو رہی ہے۔ حکومت نے اسی لیے ہفتہ میں ایک کے بجائے دو دن گوشت کا ناغہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ مگر اس سے بھی کام نہ چلا۔ اب شاید اسے بڑھا کر جلدی ہی تین دن ناغہ کرنا پڑے۔ اس حالت میں بقر عید کی قربانی پر پابندی لگانا گزیر ہے۔ کیونکہ اگر اسی طرح ہزار ہا جانور اس موقع پر کٹتے رہے تو جانوروں کا، اور ان کے ساتھ دودھ گھی کا بھی قحط رونما ہو جائے گا۔

جہاں تک جانوروں کی کمی کا تعلق ہے، اسے بڑھا کر قحط کی حد تک نوبت پہنچا دینے کا غالباً اس سے زیادہ کارگر نسخہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ ان کی کھپت روز بروز کم کی جاتی رہے۔ کیونکہ جانور پالنے والے بھی اس کے ساتھ ساتھ ہی

وز بروز گلہ بانی کے پیشے سے دستکش ہوتے چلے جائیں گے۔ جب ان کے مال کی مانگ اس قدر کم ہو جائے کہ سال بھر میں ۱۵۶ دن تو ویسے ہی اس کی فروخت بند رہے، اور سال کے وہ تین دن بھی، جن کی امید میں وہ ہزار ہا جانور پورے سال پالتے رہتے تھے، ان کے لیے کساد بازاری کی نذر ہو جائیں، تو ظاہر ہے کہ ان کے لیے اس کام میں کوئی کشش باقی نہیں رہ سکتی۔ وہ اپنی فیزیکی اور کام میں تلاش کرنے پر مجبور ہوں گے اور جانور پالنے کم کرتے چلے جائیں گے۔ پھر جب جانوروں کی فساد میں مزید کمی واقع ہوگی اور ہمارے ضرورت سے زیادہ عقلمند مدبرین ہفتہ میں مزید چند روز گوشت بند کر کے اور بقر عید کی قربانی بالکل ممنوع کر کے اس کا مداوا فرماتے رہیں گے تو ایک روز آپ سے آپ یہ ملک ابھسا کا گہوارہ اور جن میں مست کی جنت بن کر رہے گا۔ نہ معلوم ان حضرات کو کس حکیم نے یہ مشورہ دیا ہے کہ جانوروں کی کمی کا علاج ان کی افزائش نسل کے لیے سہولتیں بہم پہنچانے اور گلہ بانی کی عمت افزائی کرنے کے بجائے بازار میں اس جنس کی مانگ کم کرتے چلے جانا ہے۔

رہی دودھ اور گھی کی کمی، تو اس کا رشتہ جانوروں کے ذبیحے سے لے جا کر جوڑنا صرف ان لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو اس ملک میں باہر سے آکر حکمرانی کرنے والوں کی طرح رہتے ہیں۔ بالکل ایک غیر ملکی مبصر کی طرح انہوں نے اپنے کمرے میں بیٹھ کر قیاس فرمایا کہ ضرور دودھ دینے والے جانور ہی

دھڑا دھڑا کیے جا رہے ہوں گے، تب ہی تو ملک میں دودھ اور گھی کی فراہمی کم ہو رہی ہے۔ حالاں کہ اگر وہ اس ملک میں چل پھر کر معلوم کرتے کہ یہاں دودھ دینے والے جانوروں کی قیمتیں کیا ہیں، اور گوشت کا نرخ کیا ہے، اور یہاں کے ایک جانور میں اوسطاً کتنا گوشت نکلتا ہے، تو انہیں خود معلوم ہو جاتا کہ صرف وہی قصاب دودھ دینے والا جانور کاٹ کر گوشت بیچ سکتا ہے جو کچھ کمانے کے بجائے اپنے گھر سے خریداروں کو کھلانے کی پاکیزہ نیت رکھتا ہو، اور صرف وہی شخص بقر عید میں دودھ دینے والا جانور خرید کر قربان کر سکتا ہے جس کی ماہوار آمدنی سینکڑوں سے متجاوز ہو کر ہزاروں تک پہنچی ہوئی ہو۔

مقرر ضمیمین کے چند فریڈ سہارے

حال میں ایک صاحب نے کچھ شرعی سہارے اس غرض کے لیے تلاش کیے ہیں کہ قربانی بند نہ سہی محدود ہی ہو جائے اور حکومت اسے محدود کر کے حد مقرر سے زائد قربانیوں کا وسیع خیراتی کاموں میں صرف کرنے کا انتظام کرے۔ ان سہاروں کی نوعیت بھی ملاحظہ فرمائیے۔

وہ کہتے ہیں کہ قربانی صرف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے، باقی ائمہ دین اسے صرف سنت مانتے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ بات بھی غلط ہے کہ اسے صرف امام اعظم واجب قرار دیتے ہیں، اور یہ بھی غلط کہ باقی ائمہ اسے سنت اس معنی میں مانتے ہیں کہ اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ جن ائمہ نے اسے واجب قرار

دیا ہے ان میں امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ بھی شامل ہیں، اور امام شافعیؒ وغیرہ جنہوں نے اسے سنت مانا ہے وہ سب اسے سنت مومکہہ کہتے ہیں جس کا ترک جائز نہیں۔ ان کا بیان ہے کہ شارع کا منشا قرآنی کو محدود کرنا تھا کیونکہ حضورؐ نے قرآنی کا حکم صرف ذمی استطاعت لوگوں کو دیا ہے اور حدیث میں یہ بھی فرمایا ہے کہ علیٰ کل اہل بیت فی کل عام اضحیۃ وعتیۃ رہبر گھر کے لوگوں پر ہر سال ایک قرآنی تقریر کی اور ایک رجب کی لازم ہے، حالانکہ ترمذی کے بقول یہ حدیث غریب وضعیف السند ہے اور ابوداؤد نے صراحت کی ہے کہ جب کی قرآنی کا حکم حضورؐ نے نسوخ فرما دیا تھا۔ تاہم اس بحث کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو سوال یہ ہے کہ شارع نے ایک چیز کو لازم کرتے ہوئے اگر اس کی ایک کم سے کم حد مقرر کی ہو تو کیا واقعی اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ شارع اس پر عمل کو محدود کرنا چاہتا ہے، نماز صرف پانچ وقت کی چند رکعتیں فرض ہیں۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ شارع نماز کو محدود رکھنا چاہتا ہے اور فرض رکعتوں سے زیادہ پڑھنا اسے پسند نہیں، روزے صرف رمضان کے فرض ہیں کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ روزوں کو محدود کرنا ہی مقصود ہے اور زائد روزے ناپسندیدہ ہیں، زکوٰۃ کی ایک محدود مقدار صرف صاحب نصاب پر لازم کی گئی ہے۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کو محدود کرنا پیش نظر ہے اور غیر صاحب نصاب اگر راہ خدا میں مال صرف کرے یا صاحب نصاب زکوٰۃ کے علاوہ کچھ خیرات کرے تو یہ ناپسندیدہ بات ہوگی؟

وہ قرآن سے بعض نظیریں پیش کرتے ہیں کہ حج کی بعض رعایات سے فائدہ اٹھانے والوں اور بعض کوتاہیوں کا ارتکاب کرنے والوں پر جو قربانی لازم کی گئی ہے اس کا بدل روزوں کی شکل میں یا مالی انفاق کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے خود تجویز فرمایا ہے اس سے وہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ بقرعید کی قربانی کا بدل بھی اسی طرح تجویز کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ یہ استدلال اصولاً غلط ہے۔ وہاں شارع نے دو تین متبادل صورتیں ایک واجب سے سبکدوش ہونے کے لیے خود تجویز کی ہیں۔ یہاں آپ شارع کی ایک ہی مقرر کردہ شکل عبادت کا بدل تجویز فرما رہے ہیں۔ یہ اختیار آپ کو کس نے دیا ہے؟ کیا اسی طرح آپ نماز، روزے، زکوٰۃ، حج اور دوسرے فرائض و واجبات کے بدل بھی آپ ہی آپ تجویز کر لینے کے لیے آزاد ہیں؟

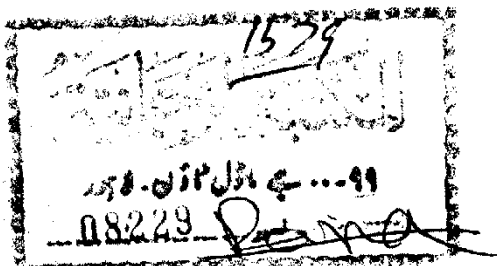
پھر وہ ہدایہ کی ایک عبارت سے یہ بالکل غلط مفہوم نکالتے ہیں کہ قربانی کے دنوں میں اگرچہ قربانی ہی کرنا افضل ہے، مگر اس کے بجائے جانور کی قیمت صدقہ کر دینا بھی جائز ہے۔ حالانکہ کوئی فقیہ اس بات کا قائل نہیں ہے کہ بقرعید کے ایام میں جانور کی قیمت کا صدقہ قربانی کا بدل ہو سکتا ہے۔ صاحب ہدایہ غریب کو اگر معلوم ہوتا کہ کسی وقت ان کے الفاظ النضیحة فیہا افضل من الصدقہ بئمن الاضحیۃ کا مطلب یہ نکالا جائیگا کہ قربانی کے دنوں میں قربانی کے بجائے جانور کی قیمت صدقہ کر دینا بھی درست ہے تو وہ دس بار اس پر توبہ کرتے۔ آخر فقہ حنفی کی ایک کتاب ہدایہ ہی تو نہیں ہے۔ دوسری بے شمار کتابیں بھی دنیا میں موجود ہیں اور قریب قریب

سب ہی میں بالفاظِ صریح یہ بات لکھی گئی ہے کہ ان دنوں میں کوئی صدقہ قربانی کا بدل نہیں ہو سکتا۔

ایک دلچسپ استدلال ان کا یہ بھی ہے کہ اب لوگوں کے اندر خلوص و تقویٰ کم ہے اور اس کے بجائے فخر اور ریا اور نام و نمونہ کی خاطر لوگ قربانیاں کرتے ہیں۔ گویا جب یہی لوگ قربانی کے بجائے قومی فنڈ میں — اور وہ بھی سرکاری فنڈ میں — بڑھ چڑھ کر چندے دیں گے تو اس وقت یہ کام غایت درجہ خلوص و تقویٰ کے ساتھ ہوگا اس کے بعد بعید نہیں کہ ہر مسجد پر ایک تختہ خلوص پیا آلات ایسے ہوتے موجود ہے اور اس سے ناپ ناپ کر سب ریاکار نمازی کو حکم دے کہ نوافل اور سنتیں چھوڑ کر ان بدلے قومی فنڈ میں روپیہ داخل کرو۔

ان کمزور سہاروں پر یہ عمارت کھڑی کی گئی ہے کہ قربانی کو محدود کر دینا شریعت کے منشا کے مطابق ہے۔

08229



رسائل مسائل

عالم اسلام کے ماہر فارغ التحصیل
مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی
کے قلم سے

تفہیمات

موجودہ دور کے نئے اور

- اہم اسلامی احکام و مسائل کی تشریح و توضیح
- حضرت طاہرہ سلیمان - یوسف علیہم السلام -
- منسوب واقعات کی تحقیق -
- ہیکل سارکس اور ڈارون کا تنقیدی مطالعہ -
- شرعی منازعہ ○ مسئلہ غلامی ○ اسلامی
- نکاح کتابیہ ○ قنذہ تکفیر ○ مسئلہ قرآنی
- جیسے اہم مسائل پر مفصل بحث -
- منکرین حدیث کے اعتراضات کا مدلل جواب
- آقٹ کی حسین طہارت ○ صفحات -
- قیمت صرف ۵۰ روپے

- بیحدہ مسائل کا اسلام کی روشنی میں تشریحی بحث -
- اچھے ہونے ذہنوں اور مضطرب دلوں کا ایقان -
- جدید حالات میں اسلامی احکامات کا صحیح ترین
- انطباق - ○ آقٹ کی عمدہ کتابت و طہارت -
- صفحات :- ۵۲۵
- قیمت صرف ۲۵ روپے

ایمان اور آزمائش

اخلاق حسین

- ایمان کے تقاضے کیا ہیں ؟
- کیسا ایمان اللہ کے نزدیک معتبر ہے ؟
- ایمان اور آزمائش کا تعلق -
- آزمائشوں کی نوعیت -
- مومنین صالحین سے اللہ تعالیٰ کے وعدے
- ایک ایمان افروز کتاب -
- قیمت صرف ۳۰ پیسے

شہادتِ حسین رضی

سید ابوالاعلیٰ مودودی

- امام عالی مقام کی شہادت کے حقیقی اسباب -
- بنو ہبیرہ سے کش مکش کی بناء -
- بگاڑ کے اسباب اور مظاہر -
- امام کا مثالی کردار -
- اسلامی تاریخ کا اہم باب -
- قیمت صرف ۳۰ پیسے

فون ملبر :- ۶۸۳۴۱

اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۳-۱۵ شاہ عالم مارکٹ لاہور